امامیہ مشن لکھنؤ کا ساتواں تبلیغی رسالہ

حسین علیہ السلام

مطبوعہ سرفراز قومی پریس گولہ گنج اسٹریٹ لکھنؤ

قیمت ۱/ — محرم ۱۳۵۲ھ — محصول ڈاک ۱/

یا قومنا اجیبوا داعی اللہ

اے قوم جواب دے خدا کی طرف سے پکارنے والے کا

برادران ایمانی - سلام علیکم

امامیہ مشن کی دینی و تبلیغی خدمات آپ حضرات کی نظروں سے پوشیدہ نہیں ہیں اس سلسلہ میں جیسا کہ اس سے قبل بھی عرض کیا جا چکا ہے جب تک کہ ہر ہر فرد قوم تھوڑی قربانی نہ کرے اس کام کو تیزی کے ساتھ آگے نہیں بڑھایا جا سکتا - چنانچہ ضرورت اس امر کی ہے کہ شیعیان امیرالمومنینؑ کثیر تعداد میں اس تبلیغی ادارہ کے ممبر بن کر ہماری تقویت کریں چندہ سالانہ کم سے کم ایک روپیہ ہے اور جو مومنین اس سے زائد مرحمت فرمادیں وہ اُن کی توفیق پر منحصر ہے اور ممبران کیلئے یہ رعایت ہوگی کہ ممبر بننے کے بعد جو رسالے شائع ہونگے وہ اُن کو نصف قیمت پر دئے جائینگے،

فارم ممبری ہم سے طلب فرمایئے اور خود بھی ممبر بنیئے اور دیگر مومنین کو بھی ممبر بنا کر عنداللہ و عندالرسولؐ ماجور ہوجیئے۔

خادم ملت

سید ابن حسین عفی عنہ

آنریری سکریٹری امامیہ مشن

حسین آباد - لکھنؤ

حسینؑ اور اسلام

(مصنفہ)

عالیجناب سید العلماء مولانا مولوی سید علی نقی صاحب قبلہ

مجتہد العصر مدظلہ

امامیہ مشن کی ساتوین مذہبی خدمت

حضرات - امامیہ مشن کو قائم ہوے بہت کم عرصہ گذرا ہی جو چند مہینون سے زیادہ نہین لیکن اتنے ہی قلیل عرصہ مین اُسکے مذہبی خدمات اُس کا کافی تعارف کرا چکے ہین -

اس مشن نے اس عرصہ مین چھہ مستقل رسالے شایع کرنیکے علاوہ ایک ایک رسالہ کے دو دو اور تین تین اڈیشن بھی شایع کیے جو اسکے خدمات قومی کی مقبولیت کا نتیجہ ہین -

امامیہ مشن کی یہ ساتوین خدمت ہے جو حسین ؑ کے نام کو اپنا طرہ بنائے ہوئے آپکے سامنے آرہی ہی خدا سے دعا ہی کہ وہ اسکو بھی قبول فرمائے اور جس مقصد کیلئے اسکی اشاعت کیجارہی ہی وہ پائیہ تکمیل کو پہونچے والسلام

خادم ملت - سید ابن حسین عفی عنہ

آنریری سکریٹری امامیہ مشن - لکھنؤ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ علیٰ سید

المرسلین والہ الطاہرین

حسینؑ اور اسلام

حسینؑ تاریخی دنیا میں محتاج تعارف نہیں ہیں، انکی شخصیت اور عظیم کارنامے کروروں افراد کے سر عقیدت کو خم کئے ہوئے ہیں، تم نے ممکن ہے کہ انکے عظیم کارنامۂ زندگی کے مطالعہ اور انکے حیرت انگیز ثبات قدم اور استقلال و تدبر سے بھرے ہوئے بیمثال اقدام اور قربانی کے حالات پر اطلاع حاصل کرنیکا موقع نہ پایا ہو لیکن کم سے کم تم نے حسینؑ کا نام ضرور سنا ہوگا اور اتنا جانتے ہوگے کہ وہ کسی بڑے تاریخی واقعہ کے ہیرو ہیں ممکن ہے یہ خیال بھی تمہارے دل میں کبھی آتا ہو کہ یہ حسینؑ کون تھے اور

آخر اُس واقعہ کے خصوصیات کیا ہین جو اس بڑے انسان کی ذات سے تعلق
رکھتا ہے۔ اچھا تو پھر آؤ اور صبر و سکون کے چند لمحے مجھکو عاریت دو۔
مین تم کو حسینؑ اور انکے مشن سے جس کے سلسلہ مین اُنھون نے
بڑی سے بڑی قربانی پیش کرنے مین دریغ نہین کیا مختصر لفظون
مین سنا سکتا ہون جس سے تم کو حسینؑ اور اُن کے اقدامات کے متعلق
صحیح رائے قائم کرنیکا موقع مل سکے۔

حسینؑ کون تھے؟

حسینؑ کیساتھ اسلام کا روحانی تعلق

چھٹی صدی عیسوی مین جبکہ دنیا تاریکی کے عظیم دور سے گذر رہی
تھی اور انسانی تمدن کی کشتی تفرقہ اور فساد کے طوفان سے ڈانواڈول
تھی جزیرہ نمائے عرب سے اسلام کا آفتاب طالع ہوا جسکی ابتدائی کرنین
اگرچہ حجاز کے مرکزی مقام مکہ معظمہ سے ظاہر ہوئی تھین لیکن رفتہ رفتہ

اسکی روشنی شرق و غرب عالم پر چھا گئی اور دنیا کو روشن کر دیا ۔

یہ ہر دلعزیز اور عالمگیر مذہب جس کا نام ہی اسلام ہی اپنے ابتدائی دور مین ترقی و اشاعت کی حیثیت سے دو عظیم شخصیتون کی جانفشانی اور انتھک کوششون کا نتیجہ تھا ایک پیغمبر اسلام محمد مصطفے صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم دوسرے انکے چچازاد بھائی علی بن ابیطالب ،

اگرچہ دوسرے بہت سے صحابہ کرام نے جو خدمات انجام دی ہین اور جان نثاری و فداکاری کے فرض کو انجام دیا ہی انکو نظر انداز نہین کیا جا سکتا اور وہ تاریخ مین سنہری حرفون سے لکھے جانیکے قابل ہین لیکن ان کو اسلام کے سنگ بنیاد نصب ہونے اور اسکے بعد والے ابتدائی مراحل سے کوئی تعلق نہین ہی اور نہ اسکے بعد انھین اساسی حیثیت دیجا سکتی ہی بلکہ وہ ضمنی حیثیت رکھتے ہین لیکن حقیقۃً انہی دو بزرگون کے ثبات قدم اور حیرت ناک استقلال اور اپنے خون کو پسینہ بنا لینے کا اثر تھا کہ اسلام کی بنیادین قائم ہوئین اور حیرت ناک تیزی کیساتھ

اسکی اشاعت ہوئی ۔

قدرت کو ان دونوں بھائیوں کے اتحاد کو مضبوط سے مضبوط تر بنانا تھا حضرت رسول اکرمؐ کی اکلوتی بیٹی حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کیساتھ حضرت علی بن ابیطالبؑ کا عقد ہوا اور اس طرح علی کو بھائی ہونیکے علاوہ ایک قسم کی فرزندی بھی رسولؐ سے حاصل ہو گئی اور دونوں سلسلے کہ جو اشاعت اسلام میں متحد تھے اور زیادہ استحکام کیساتھ ایک نقطہ پر جمع ہو گئے ۔

انہی ماں باپ حضرت فاطمہ اور علی بن ابیطالبؑ سے دو بچے متولد ہوئے جن کا نام تھا حسنؑ اور حسینؑ اور عین اسوقت کہ جب اسلام ایک نو عمر بچہ کی حیثیت سے رسول اسلام کی آغوش میں پرورش پا رہا تھا ان دونوں بچوں کی ولادت ہوئی جن کی پرورش بھی رسولؐ کی آغوش میں شروع ہوئی اور اس طرح ان دونوں کا اور اسلام کا گہوارۂ تربیت ایک قرار پایا، ایک طرف نانا کہ جو بانی اسلام تھے اور دوسری طرف باپ جو مجاہد

محامیٔ اسلام تھے اُن کے خدمات اور کارگزاریاں سامنے تھیں اور
اس ماحول کے باعث اسلام کیساتھ روحانی تعلق اور دلی ارتباط ان دونوں
بچوں میں بچپنے ہی سے راسخ ہوگیا اور جتنی عمر بڑھتی گئی اُلفت اسلام کا
جذبہ مستحکم سے مستحکم تر ہوتا گیا۔

مذہبی عقائد سے جن کی بنا پر یہ دونوں بزرگ (حسن و حسین) امام خلق
اور حقیقی ذمہ دار اسلام قرار پاتے ہیں بالکل الگ ہو کر تاریخی اعتبار
سے بھی یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ ان دونوں بزرگوں کی زندگی پابندی
شریعت اور حفظان اصول مذہب کی حیثیت سے اسلامی
تعلیمات کا مکمل آئینہ اور احکام شریعت کا مجسم نمونہ تھی اور
اسلئے بھی اسلام اور شریعت اسلام کے ساتھ جتنی گہری
ہمدردی ان کو ہو سکتی تھی کسی کو نہیں۔

بنی امیہ کا دور حکومت

یا

تاریخ کا ایک سیاہ ورق

پیغمبر اسلام کی وفات اسلام کیلئے ایک سخت ترین مصیبت تھی جسکے بعد ہی سے اسکی زندگی کا ایک نیا دور شروع ہوتا ہے شروع شروع میں کچھ عرصہ تک اسکی سادگی و حقیقت پروری، ظاہری جاہ و عزت سے بے تعلقی اور مادی ساز و سامان سے کنارہ کشی ایک حد تک محفوظ تھی لیکن ادھر فتوحات نے ترقی کی قیصر و کسریٰ کے ممالک پر مسلمانوں کا قبضہ ہوا، شاہانہ تزک و احتشام اور سلطنتی جاہ و جلال آنکھیں دوچار ہوئیں ادھر اسلامی افراد میں بھی کشور آرائی اور جہانبانی کے جذبات نے پرورش پائی اور مذہبی پابندیوں کے بجائے سیاسی منصوبہ بازیوں اور کمزوروں کے مقابلہ میں جابرانہ طاقتوں کے مظاہرہ کا دور دورہ ہوگیا۔

رسولؐ اور آپکے خاندان (بنی ہاشم) کے قدیمی حریف بنی اُمیّہ کہ جو برابر رسولؐ ملے شاعت اسلام کے خلاف اپنی طاقت کے آخری نفس تک جنگ کرتے رہے اور سب سے آخر میں آمید کے تمام رشتے منقطع ہو جانیکے بعد بادل ناخواستہ اسلام لائے تھے انہیں ان نقلابات میں اپنے منصوبوں کے پورا کرنے کا اچھا موقع ملا -

حضرت خلیفہ ثانی (عمر بن الخطاب) ہی کے دور میں شام پر ان کا تسلط ہو گیا تھا جو صرف گورنری کی حیثیت سے تھا . لیکن قدم جمانے کیلئے بہت کافی تھا -

تیسرے دور میں خوش قسمتی سے مرکزی حکومت یعنی خلافت کا سہرا بھی بنی اُمیت کے سر پر بندھا اور اس گروہ کو اسلام کے نقشانے اپنے دیرینہ منصوبوں کے پورا کرنیکا پورا موقع مل گیا -

حضرت خلیفہ ثالث کے ساتھ حسن ظن کو راہ دیتے ہوئے یہ کہا جا سکتا ہے کہ صاف و سادہ لوح خلیفہ وقت کو اپنے ان خاندانی افراد کے اغراض و

مقاصد اور اُنکے اطوار و حالات کی اطلاع نہ تھی لیکن یہ مسلمہ حقیقت ہے کہ اس عہد میں صحابۂ رسول در سچے اسلامی فرزندوں کیساتھ انتہائی شرمناک برتاؤ اختیار کئے گئے اور انہوں کی جانبداری اور اُنکے بدترین مظالم کی حمایت انتہا تک پہنچگئی جسکے بعد پانی سر سے اونچا ہوگیا اور مظالم کو برداشت کرتے کرتے صبر کے پیمانے لبریز ہو گئے جس کا افسوسناک نتیجہ قتل خلیفہ کی صورت میں ظاہر ہوا -

تاریخ کے مطالعہ سے اس قتل کی بہت کچھ ذمہ داری بنی اُمیہ کے سر دکھائی دیتی ہے -

اسکے بعد حالات نے پلٹا کھایا اور خلافت کیلئے بڑے بڑے صحابۂ کرام اور اہل حل و عقد کے اتفاق آراء سے حضرت علیؑ کا انتخاب ہوا اور سب نے باتفاق آپکی بیعت کی لیکن گورنر شام معاویہ بن ابی سفیان جو وہاں پورے طور پر قبضہ جما چکے تھے وہ اسلامی متفقہ فیصلہ کے سامنے سرنگوں نہونا تھے نہوے اور خون حضرت عثمان کی طلب کے

بہانے سے علی بن ابیطالبؑ سے برسرِ پیکار ہوئے چنانچہ جنگ صفین کے سیکڑوں معرکہ جن میں ہزاروں مسلمانوں کا خون پانی کی طرح بہ گیا اسی کا کرشمہ تھے۔

آخر اس جنگ کا فیصلہ ایک مکارانہ مصالحت کیساتھ ہوا جس میں اگر دیانت و امانت کا جوہر کارفرما ہوتا تو یقیناً مسلمانوں کے درمیان ناگوار اختلاف کا خاتمہ ہو سکتا تھا لیکن افسوس کہ حرص و آز کے بڑھتے ہوئے سیلاب نے اس ظاہری مصالحت کو فتنہ و فساد کا پیش خیمہ قرار دیدیا اور اختلاف و افتراق کی خلیج پہلے سے زیادہ وسیع ہو گئی۔

یہ وقت تھا کہ شام کے تخت پر بنی امیہ کے قدم پوری طاقت کیساتھ جم گئے تھے اُدھر امیر المومنین علیؑ کو مسجد کوفہ میں شہید کیا گیا ادھر شام میں مخالفت اہلبیت کا طوفان پوری قوت پر بلند ہو گیا اور دمشق بلکہ تمام بلاد اسلامیہ کے منبروں پر کمال جرأت کیساتھ اہلبیت رسولؐ پر لعن و طعن کا بازار گرم ہو گیا۔

اس زمانہ کے بعض اہم خصوصیات امیر معاویہ اگرچہ صحابہ رسولؐ کی ایک ممتاز فرد سمجھے جاتے ہیں لیکن ان کے دور حکومت کے یہ افسوسناک خصوصیات ہیں جو اسلامی تاریخ میں جلی حرفوں سے مرقوم نظر آتے ہیں اور ان سے اس زمانہ میں اسلام کے ضعف و کس مپرسی کا اندازہ ہوتا ہے۔

(۱) وضع احادیث اور خدا و رسولؐ پر افترا و بہتان کوئی جرم نہ رہا بلکہ اس پر مخصوص مصالح کے تحت میں جائزہ و انعام دیا جاتا تھا چنانچہ ابوالحسن علی بن محمد مدائنی جو اسلامی مورخین میں بڑے پایہ کا شخص ہے اس نے کتاب الاحداث میں اس زمانہ کے حالات درج کرتے ہوئے لکھا ہے۔

کتب معاویۃ الی عمالہ فی جمیع الآفاق ان لا یجیزوا لاحد من شیعۃ علی شہادۃ وکتب الیہم ان انظروا من قبلکم من شیعۃ عثمان ومحبیہ واہل ولایتہ الذین یروون فضائلہ ومناقبہ فادنوا مجالسہم وقربوہم واکرموہم واکتبوا الی بکل ما یروی کل رجل منہم واسمہ واسم ابیہ وعشیرتہ ففعلوا ذلک حتی اکثروا فی فضائل عثمان ومناقبہ

لما كان يبعثه اليهم معاوية من الصلات والكساء والحباء والقطائع ويفيضه في العرب منهم والموالي فكثر ذلك في كل مصر وتنافسوا في المنازل والدنيا فليس يجئ امرء من الناس عاملا من عمال معاوية فيروي في عثمان فضيلة او منقبة الا كتب اسمه وقربه وشفعه فلبثوا بذلك حينا۔

"معاویہ نے تمام عمال کو لکھا کہ جو شخص حضرت عثمان کی فضیلت میں کسی حدیث کو بیان کرے اُس کا پورا نام مع پتہ کے میرے پاس لکھکر بھیجدو اور پوری طرح جائزہ وانعام سے اُس کو مالا مال کردو اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ فضیلت عثمان میں احادیث کثرت سے ہوگئیں اور ایک مدت تک یہ سلسلہ قائم رہا۔"

ثم كتب الى عماله ان الحديث في عثمان قد كثر وفشا في كل مصر وكل وجه وناحية فاذا جاءكم كتابي هذا فادعوا الناس الى الرواية في فضائل الصحابة والخلفاء الاولين ولا تتركوا خبرا يرويه احد من المسلمين في ابي تراب الا وأتوني بمناقض له في الصحابة فان هذا

احبّ الیّ واقرّ لعینی وادحض لحجۃ ابی تراب وشیعتہ واشدّ علیہم من مناقب عثمان وفضلہ فقرأت کتبہ علی الناس فرویت احادیث کثیرۃ فی مناقب الصحابۃ مفتعلۃ لا حقیقۃ لہا وجدّ الناس فی روایۃ ما یجری ھذا المجری حتی اشادوا بذکر ذلک علی المنابر والقی الی معلمی الکتاب فعلّموا صبیانہم وغلمانہم من ذلک الکثیر الواسع حتی رووہ وتعلّموہ کما یتعلّمون القرآن وحتی علموہ بناتہم ونساءہم وخدمہم وحشمہم فلبثوا بذلک ما شاء اللہ۔

"پھر تمام گورنرون کو لکھا گیا کہ عثمان کی فضیلت مین احادیث کا بہت کافی ذخیرہ جمع ہو گیا ہے اب تم دیگر صحابہ کے فضائل مین روایت احادیث کی طرف لوگون کو دعوت دو اور جو کوئی فضیلت بھی ابوتراب کی نسبت احادیث مین وارد ہوئی ہے اسکے مقابل دوسرے صحابہ کیلئے بھی بیان کرو۔ علی اور انکے شیعون کی دلیل کے باطل کرنیکا سب سے بڑا ذریعہ یہی ہے، بس پھر کیا تھا، فرمان لوگون کے سامنے پڑھا گیا اور سیکڑون

حدیثین صحابہ کبار کے مناقب مین تصنیف ہو گئین جن کی کچھ اصلیت نہ تھی واعظین ان کو منبرون پر پڑہتے اور معلمین مکتب بچون کو قرآن کیطرح حفظ کرانے تھے بلکہ لڑکیون عورتون اور غلامون کنیزون تک کو یاد کرانا ضروری سمجھتے تھے۔"

اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ بچلے اسلامی روایات بھی ان بے حقیقت اخبار کے ساتھ مخلوط ہو کر بے اعتبار بن گئے اور علمی تحقیق و تدقیق مین ایک بہت بڑا رخنہ پڑ گیا۔

(۲) سب و شتم اور اکابر اہل اسلام کو گالیان دینے کا دستور نکل آیا کہ دمشق و شام کے منبرون پر چالیس برس تک یہ رسم ادا ہوتی رہی اور علی بن ابیطالب کی نسبت اس جسارت کا سلسلہ قائم رہا۔

(۳) بلاد اسلامیہ مین شراب بہت آزادی کیساتھ استعمال کیجانے لگی اور اسکی خرید و فروخت مین کوئی روک ٹوک باقی نہین رہی چنانچہ عبدالرحمن بن سہل انصاری (صحابی رسول) نے شراب کے بارے لدے ہوئے

اونٹون کو دیکھا تو اپنے نیزہ کی نوک سے ان مشکون کو پھاڑ ڈالا حضرت معاویہ کو خبر معلوم ہوئی تو کہا اُس بڈھے کو چھوڑ دو اُسکی عقل جاتی رہی ہے عبدالرحمٰن نے سنا تو کہا خدا کی قسم میری عقل نہین گئی ہے مگر رسالتمآبؐ نے ممانعت فرمائی ہے اس سے کہ شراب پیاسے شکم مین داخل ہو یا برتنون مین رکھی جائے (دیکھو کتاب اسد الغابہ ابن اثیر جزری ج ۳ ص ۲۹۹ و اصابہ حافظ ابن حجر عسقلانی ج ۲ ص ۴۰۴)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانہ مین شراب کی درآمد مسلمانون مین بہت خوبی سے ہو گئی تھی اور اگر کوئی سچا مسلمان تعرض کرتا تھا تو اُسے دیوانہ اور بے عقل کا خطاب دیا جاتا تھا۔

(۴) بیگناہ مسلمانون کا خون بے تحاشا بیدردی سے بہایا جانے لگا ہزارہا بیکس کلمہ گویون کی گردنین زیر تیغ ہو گئین سمرہ بن جندب اور بسر بن ارطاۃ اور زیاد بن ابیہ کی سیاہ کاریان اسی عہد کا نامۂ عمل ہین عبداللہ بن عباس کے دو کمسن بچے ماں کی گود مین ذبح کر دیے گئے جس سے وہ مجنون

ہو گئیں (ملاحظہ ہو استیعاب، ابن عبدالبر مطبوعہ دائرۃ المعارف حیدرآباد جلد اول ص۶۶)

(۵) مذہب کا وقار بالکل کم ہو رہا تھا اور بڑے سے بڑے ارکان مذہبی کو مسخرہ پن میں اڑایا جاتا تھا۔

امیر معاویہ نے بڑے فخر سے جابر بن قدامہ اور احنف دو شخصوں کی نسبت فرمایا کہ اشتریت منہما دینہما میں نے ان سے ان کا مذہب مول لے لیا ہے (استیعاب ج ۱ ص۱۵۴)

مصر کے لوگوں نے دربار میں آکر السلام علیک یا رسول اللہ کہا اور اسکو گوارا کر لیا گیا، سزا دینا تو بڑی بات تھی معمولی سی زبانی تنبیہ بھی نہ کی گئی (ملاحظہ ہو تاریخ طبری ج ۶ ص۱۸۴)

ان دونوں واقعوں کو ہم نے اپنے رسالہ "قاتلان حسین کا مذہب" میں تفصیل سے لکھا ہے اور ان سے اس وقت کے اسلامی احساسات و جذبات کی کمزوری کا پتہ چلتا ہے۔

امیر معاویہ کا زمانہ کسی نہ کسی طرح بسر ہو گیا اور انہوں نے اپنی عمر گذار دی مگر مسلمانوں کے سر ظلم و ستم کے ایسے پہاڑ سوار کر گئے جس نے اسلام کے شیرازہ کو بالکل درہم و برہم کر دیا۔ یزید کے اخلاق و عادات سے امیر معاویہ بے خبر تھے؟ نہیں ہرگز نہیں وہ خود یزید کے خصوصیات سے واقف تھے اور اس کا اظہار بھی کیا ہے چنانچہ علامہ ابن حجر مکی اپنی کتاب "تطہیر اللسان والجنان" میں جو حضرت معاویہ کے مناقب و فضائل میں تصنیف کی ہے لکھتے ہیں کہ ایک روز امیر معاویہ رونے لگے، مروان نے کہا کیوں کیا ہوا؟ آپ کے رونے کا سبب؟ جواب دیا کہ

انی شیئ کنت عند عزوبالکیت بینی وبین عظمی وکثرت الدموع فی عینی ورصیت فی احسن مابینی وبینی ولولاھوای فی یزید البصرت قصدی۔

"دنیا میں کونسی راحت تھی جو میں نے نہ اٹھائی ہو، اب سن زیادہ ہو گیا، ہڈیاں گھل گئیں جسم کمزور ہو گیا لیکن اگر مجھ پر یزید کی محبت کا غلبہ

نہ ہوتا تو میں اپنے لئے راہ راست کو حاصل کر لیتا" (حاشیہ صواعق محرقہ مطبوعہ مصر صفحہ ۱۳۵)

دوسرے مقام پر علامہ ابن حجر لکھتے ہیں۔

قولہ ولولا ھوای الخ فیہ غایۃ التسجیل علی نفسہ بان مزید

محبتہ لیزید اعمت علیہ طریق الھدی واوقعت الناس بعدہ

مع ذلک الفاسق المارق فی الردی۔

"ان الفاظ میں معاویہ نے پورے طور پر اقرار کر لیا ہے کہ یزید کی محبت نے اُن کو

ہدایت کے رستوں سے اندھا بنا دیا ہے اور یہی فرط محبت نے مسلمانوں کو اُن کے بعد

ایسے فاسق و فاجر کے ہاتھوں میں مبتلا کر دیا جو اُنکی ہلاکت کا باعث ہوا"

(حاشیہ صواعق محرقہ ص۱۳۵)

اس کے بعد کون کہہ سکتا ہے کہ امیر معاویہ یزید کے افعال و عادات سے

بے خبر تھے اور اُس کی ولی عہدی نیک نیتی پر مبنی تھی، یزید کی بیعت

مسلمانوں سے بزور دستی لی گئی اور زر و جواہر کے خزانے اس کے لئے وقف

کر دیئے گئے۔ یزید تخت خلافت پر متمکن ہوا اور اُس کے فسق و فجور نے زمانہ

بدکردار ہر طرف معصیت خدا اور مخالفت شریعت کا بازار گرم ہوا، مذہب بازیچۂ اطفال اور اسلام زینت طاق نسیان بن گیا، یزید کے افعال و عادات کے تفصیلی تذکرہ سے ان صفحات کو پُر نہیں کیا جا سکتا اسلام کی مستند تاریخیں ان واقعات کو اپنے اندر محفوظ کیے ہوئے ہیں۔ واقدی نے مختصر الفاظ میں جس طرح یزید کے بدکرداری کی تصویر کھینچی ہے وہ حسب ذیل ہے۔

کان رجلاً ینکح امہات الاولاد والبنات والاخوات ویشرب الخمر ویدع الصلوٰۃ۔

"وہ ایسا شخص تھا کہ اپنے باپ کی منکوحہ کنیزوں اور اپنی بہنوں بیٹیوں تک کو نہ چھوڑتا تھا شراب پیتا تھا اور نماز کو ترک کرتا تھا"
(ملاحظہ ہو صواعق محرقہ، علامہ ابن حجر مکی ص۱۳۵)

اب بتاؤ کہ کیا اسلامی بادشاہ یا خلیفۃ المسلمین اور مجوسیوں میں کچھ بھی فرق ہوا؟ حد سے زیادہ فاسق اشخاص بھی اپنی ماں بہنوں بیٹیوں سے مقاربت کرنا حمیت و غیرت بلکہ انسانیت کیخلاف سمجھتے ہیں۔

بادشاہ وقت کے ان عادات و اخلاق کو دیکھکر دنیا نے رنگ پکڑ لیا
تھا اور مذہبیت بالکل فنا ہو گئی تھی لطف یہ ہے کہ بڑے بڑے صحابہ سر تسلیم
خم کئے ہوئے تھے اور کسی کے دہن سے صدائے اعتراض بھی بلند نہ ہوتی تھی۔
سوائے پانچ شخصوں کے تمام صحابہ و تابعین یزید کو خلیفۂ رسول تسلیم کر چکے
تھے ان پانچ میں سب سے پہلا نام حسین بن علیؑ کا ہے اور کی دیکھا دیکھی عبداللہ
بن عمر اور عبداللہ بن زبیر اور عبدالرحمٰن بن ابی بکر اور عبداللہ بن عباس
یزید کی طرف سے کوشش شروع ہوئی کہ ان کو بھی پابند بنایا جائے
اور سب سے زیادہ امام حسین علیہ السلام کے حلقۂ بیعت میں داخل
ہونے کیلئے اہتمام کیا گیا۔

گذشتہ تاریخ اور اسلام کی موجودہ حالت کو دیکھتے ہوئے
ظاہر ہے کہ علی بن ابیطالبؑ کا فرزند اور خاندان رسولؐ کا سب سے بزرگ اگر
ان حالات کی موجودگی میں یزید کی بیعت کر لیتا تو اسلام کا نام بھی
باقی نہ رہ سکتا۔

حسن مجتبیٰ کی صلح مجاہدۂ کربلا کی تمہید تھی

ہر اقدام جو اپنے وقت پر ہو وہ مفید نتیجہ خیز اور مؤثر ہوتا ہے لیکن اگر وقت سے پہلے کیا جائے تو وہ نتیجۃً مفید ہونے کے بجائے مضر ثابت ہوتا ہے بلکہ اپنے کرنے والے کو اکثر ہمیشہ کیلئے مورد الزام بنا دیتا ہے۔

واقعات کی رفتار یکساں نہیں رہتی بلکہ تدریجی حیثیت سے ترقی کرتی ہے اور اُن کا طریقۂ علاج بھی اُسی اعتبار سے مختلف ہو جاتا ہے۔ عالم کا نظام اسی پر برقرار رہا ہے اور انسان کی افتاد طبع یوں ہی واقع ہوئی ہے اس میں تغیر و تبدل کا امکان نہیں۔

زخم رسیدہ پکے ہوئے جزو بدن ہاتھ یا پیر کا علاج کرو، پھاہے لگاؤ مرہم بدلو ضرورت ہو تو بار بار نشتر دلواؤ پھر اگر نہ اچھا ہو اور اُسکی سمیت کے جسم میں سرایت کرنیکا خوف ہو تو اُسے کاٹ کر بھی پھینک دو کسی کو اعتراض کا حق نہ ہوگا لیکن اگر زخم پیدا ہونیکے پہلے ہی یا کوئی علاج معالجہ کرنیکے

پہلے ہی کاٹ ڈالتے تو ضرور مورد الزام اور عام طور پر بے عقل سمجھے جاتے حالانکہ یہ طرز عمل وہی تھا جو بعد بیعت اختیار کئے جانے پر ممدوح و مستحسن سمجھا جاتا تھا دشوار گذار حالات کی اصلاح کے لئے قربانی اور وہ بھی جان کی قربانی کامیاب اور موثر ترین حربہ ہے لیکن سب سے آخری، جب تمام وسائل و ذرائع ختم ہو جائیں اور کوئی تدبیر کارگر نہ ہو اسوقت اس کا درجہ ہے وہ جہاں تک آخری رہے وہیں تک ممدوح ہے اور اگر اس سے پہلے عمل میں آگئی تو اس پر جلد بازی غیر موقع شناسی اور ناعاقبت اندیشی وغیرہ کا الزام آجانا ضروری ہے جس کے بعد اسکو حق بجانب نہیں سمجھا جا سکتا اور اسی لئے تھا اس کی کامیابی اور تاثیر رخصت۔

حالات کی اصلاح کے لئے احتجاج واستغاثہ مصالحت روا داری شرط شروط اور قرارداد و معاہدہ یہ سبھی چیزیں ہیں جن کا اختیار کیا جانا ابتدائی حدود میں ضروری ہے۔

بیشک جب یہ سب وسائل و ذرائع اختیار کئے جانے کے بعد ناکام

ثابت ہون تو پھر من جرب المجرب حلت بہ الندامۃ "آزمودہ را آزمودن جہل ست" کے مطابق انسان سے ان ذرائع کا مطالبہ نہ ہو سکیگا اور اُس کی رفتار عمل کو آگے بڑھکر کسی دوسرے اقدام تک پہنچنے کا حق پیدا ہوگا۔ یہی تدریجی رفتار اقدام عمل مین جبتک قائم ہے کامیابی کی توقع ہے ورنہ نہین ایک بات ہو جانے پر پہلے ہی دن مرنے مارنے پر آمادہ ہو جانے والا مغلوب الغضب کہا جائیگا۔ وہ ہی تعریف کا مستحق نہین برخلاف اسکے اگر تمام دیگر ذرائع و اسباب کے ذریعے سے اتمام حجت کے بعد انسان کسی اہم مقصد کیلئے جان دینے پر طیار ہو جائے تو فداکاری و جان نثاری اور موثر قربانی قرار پائے گی۔

ایک انسان اگر اپنے افعال و اعمال مین توازن کو ملحوظ رکھتا اور اپنی کارگذاریوں مین صرف جذبات کا فرمانبردار نہین بلکہ عقلی غور و تدبر کا پابند ہے تو اُسے اس نظام کا پابند ہونا ضروری ہے۔

شام کی اموی سلطنت کے ہاتھوں بیشک مذہب خطرہ مین تھا

اور حق و صداقت پامال ہو رہی تھی جس کی اصلاح کیلئے قربانی درکار تھی لیکن اس قربانی کے حق بجانب قرار پانیکے لئے دوسرے پرامن اور صلح پرور وسائل و ذرائع کے صرف کئے جانے کی ضرورت تھی۔

بیشک اگر امام حسینؑ ایکی یکا بغیر کسی قسم کے سابقہ حالات کے یزید کی بیعت سے کنارہ کشی کر کے باوجود فقدان اعوان و انصار مخالفت پہ جسکا لازمی نتیجہ آپکا قتل ہونا تھا طیار ہو جاتے اور ایسا کرتے تو ان سوالوں کا پیدا ہونا ناگزیر تھا کہ آخر امامؑ نے اتحاد عمل کیساتھ حالات کے درستی کی کوشش کیوں نہ کی؟ مخصوص شرائط کیساتھ صلح کر کے اپنے مقاصد کو کیوں نہ حاصل کیا؟ کم سے کم امور سلطنت سے بے تعلقی اختیار کر کے مدینۂ رسول میں قیام پذیر کیوں نہ رہے اور کربلا آکر اپنے تئیں معرض خطر میں کس لئے ڈالا؟

یہ سوالات پیدا ہونے کے بعد جن کا کوئی صحیح حل بھی موجود نہ تھا یقیناً آپکا قتل ہونا صرف جذبات کی کارفرمائی کا نتیجہ قرار پاتا

اور اس لئے نہ قابل ستائش ہوتا اور نہ موثر و کامیاب لیکن واقعہ تھا

کہ امام حسینؑ کا اقدام عمل یا قربانی وہ ایک مکمل نظام کے تحت میں واقع

ہوا تھا جس کیلئے برسوں کی طویل مدت کے حالات موقع کو قریب لا رہے

تھے یہانتک کہ ۶۱ھ میں آسکا وقت آگیا۔

شروع شروع میں امام حسنؑ کا صلح کر لینا اور مخصوص شرائط معاہدہ کے

ساتھ سلطنت کی ذمہ داریوں سے دستکش ہو کر دس برس خاموشی کی

زندگی بسر کرنا اور پھر دس ہی برس تک خود امام حسینؑ کا بھی عملی حیثیت سے

خاموش رہ کر حالات کا مطالعہ کرتے ہوئے اکثر زبانی یا مکتوبی احتجاج

کرتے رہنا لیکن باوجود اسکے حالات کا روبہ صلاح ہونے کے بدلے بد سے

بدتر ہوتے جانا۔ شرائط معاہدہ کا ٹھکرا دیا جانا صلحنامہ کے دفعات کا

پامال ہو جانا زبانی احتجاج و استغاثہ پر کوئی شنوائی نہ ہونا بلکہ اپنے

انسانیت سوز اور اسلام کش افعال پر بیش از بیش اصرار کیا جانا اور اس

سلسلہ میں پانی کا سر اونچا ہو جانا اور معاملات کا حد سے گذر جانا وہ تھا

جس نے امام حسینؑ کیلئے اس عظیم اقدام کا موقع پیدا کردیا تھا کہ جو انھوں نے
کربلا کی سرزمین پہ انجام دیا۔

اب اعتراض تاریخی حالات سے بیخبری کا نتیجہ ہوگا کہ حسینؑ نے خود
اپنی جان کو معرض خطر میں ڈالا۔ اگر وہ مدینہ میں قیام کرتے اور یزید سے
برسر پرخاش نہ ہوتے تو آپ کا خون کربلا کی زمین پہ نہ بہتا۔

یہ خیال بالکل بے حقیقت ہے۔ بنی اُمیہ کی عداوت بنی ہاشم اور
خصوصاً علی بن ابیطالبؑ کی اولاد سے اس حد تک پہنچ چکی تھی کہ وہ
کسی طرح اُن کو چین سے بیٹھنے نہیں دیسکتے تھے اور اُنکی خاموش ہستی
بھی اُنکی آنکھوں میں خار بنکر کھٹکتی تھی حسن مجتبیٰؑ نے باوجود صلح جوئی اور
خاموشی و کنارہ کشی کیا پھل پایا؟ یہ کہ زہر قاتل کے اثر سے کلیجہ کے
ٹکڑے ہوئے اور دشمنوں کی ظلم و بیداد کا خاموش افسانہ سناتے ہوئے دنیا سے
رخصت ہوئے۔ جناب خواجہ حسن نظامی صاحب دہلوی اپنی کتاب محرم نامہ
صفحہ ۷ اور دوسری کتاب یزید نامہ صفحہ ۸۳ میں لکھتے ہیں۔

"پہلا خون سیدنا حضرت امام حسن کا ہے جو تاریخ کی روایت سے قطعاً امیر معاویہ کے اوپر ثابت ہے اور کوئی قدیم و جدید محاکمہ تاریخی و قانونی انکی بریت اس قتل سے نہیں کر سکتا"

کون کہہ سکتا ہے کہ اگر حضرت امام حسین عراق میں نہ آتے اور مدینہ میں قیام فرماتے تو ان کے قتل کیلئے کوئی ایسا ہی خاموش حربہ استعمال کر دیا جاتا جس طرح حضرت امام حسن پر استعمال کیا گیا۔

اسوقت آپکی جان بھی جاتی اور افراد بشر کے سامنے حقیقت کے واضح ہونیکا بھی کوئی طریقہ نہ ہوتا بلکہ جس طرح اس سے پہلے امام حسن کی شہادت سے انکار کیا جاتا رہا اسی طرح حضرت کی شہادت سے بھی برأت کرنا ضروری خیال کیا جاتا اور یہ یقیناً یزید کی فتح اور حسین کی شکست قرار پاسکتی تھی کیونکہ اس حالت میں اول الذکر نے اپنے مقصد کو حاصل کیا حسین کے وجود کو دنیا سے محو کر دیا اور پھر عالم کے سامنے اپنے تئیں بری بھی ثابت کر دیا اور حسین نے اپنی جان سے ہاتھ دھویا اور کوئی نتیجہ خیز اثر بھی دنیا میں نہ چھوڑا،

بھلا حسینؑ سے مجبر العقول تدبر و استقلال کی مالک ہستی سے کب توقع کیجا سکتی ہے کہ وہ اس پہلو پر متوجہ نہو حسینؑ نے اپنے معاملہ کو دو مختلف صورتوں میں منحصر پایا، ایک یہ کہ خاموش طریقہ پر اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھیں اور دین اسلام و شریعت نبویہ بھی یزید کے افعال و اقوال سے محو ہو کر رہے، دوسرے یہ کہ اپنی ہستی کو ظاہری صورت میں دست فنا کے سپرد کر کے ہمیشہ کیواسطے اپنی اور اپنے نانا کی تحریک کو زندہ کر کے اسلام کا ایک پائدار نقش چھوڑ دیں، فرزند رسولؐ نے اپنے عظیم تدبر و عاقبت اندیشی سے کام لیکر دوسری صورت کو ترجیح دی اور اسلام کو زندہ کرنیکے ساتھ اپنی موت کو اپنے اور اسلام دونوں کی فنا کے مقابلہ میں اختیار کیا،

حسینؑ نے اپنی جان دیکر اپنے مخالفین کے مفاد کو ہمیشہ کیلئے پامال کر دیا اور یہی وہ عظیم فتح ہے جس کو حضرت نے ظاہری صورت میں فنا ہو کر حاصل کیا۔

حسینؑ کا اقدام عمل خالص تبلیغی شان رکھتا تھا
(اور)
تدبر و سیاست کا بہترین نمونہ تھا

امام حسینؑ درحقیقت مذہب کے اسبات کا بیڑا اٹھا کر نکلے تھے کہ دنیا کے سامنے حق کو حق اور باطل کو باطل ظاہر کر دین چنانچہ انھون نے اپنے مقصد کی اشاعت اور یزید کے ننگ انسانیت افعال کو طشت از بام کرنے مین وہ تمام وسائل و ذرائع اختیار کئے جو آن کے عظیم تدبر و سیاست کا پتہ دیتے ہین -

سب سے پہلے یہ دیکھو کہ حسینؑ نے مدینہ رسولؐ کو چھوڑ نیکے بعد مکہ معظمہ کو اپنے قیام کے لئے منتخب کیا - مکہ معظمہ کا قیام سطحی نظر مین تو اس غرض کیلئے تھا کہ اس مقام مقدس مین خونریزی حرام ہے لہذا انکی زندگی دشمنون کے خطرہ سے محفوظ رہیگی لیکن یہ نقطہ نظر ایسے شخص کیلئے تسلیم کیا جا سکتا ہے جس کو آخر تک اپنی جان بچانا منظور ہو مگر حسینؑ کہ جو مرنے پر کمر باندھ

چکے تھے اور پورے طور سے آخر تک ہونیوالے واقعات پیش نظر رکھتے تھے جس کو برابر الفاظ مین بتلاتے بھی رہتے تھے انکی نسبت اس خیال کو کوئی وقعت نہین دیجا سکتی ۔

حقیقت یہ ہی کہ مکہ معظمہ قلب جزیرۃ العرب اور عالم اسلام کا مرکز تھا، اطراف وجوانب کے قافلے برابر آتے جاتے رہتے تھے اور علاوہ فریضہ حج کے جو اسلامی شریعت کی رو سے ہر مستطیع مسلمان پر واجب ہے اور جس کی بدولت اشہر حج مین چارون طرف سے مختلف قبائل عرب کا آنا ضروری ہی خود عرب کے قدیم روایات اور سابقہ عملدرآمد کی وجہ سے حج صدیون سے قائم تھا اور اسلام نے بھی جس کو باطل کرنے کی ضرورت سمجھی تھی عرب کے اس خطہ کو تمام مختلف الخیال قبائل عرب کا محل اجتماع بنا رکھا تھا وہ مشہور کانفرنسین جو شعر و سخن اور خرید و فروخت وغیرہ کیلئے قائم ہوتی تھین جن کو اسواق العرب کہا جاتا ہی ذی القعدہ سے لیکر محرم تک مکہ۔ طائف اور مدینہ کے درمیان ہی مین قائم ہوتی تھین ۔

امام حسینؑ کی شخصیت دنیائے عرب میں کوئی اجنبیت نہ رکھتی تھی، اگرچہ
مذہبی احساسات مردہ ہو گئے ہوں اور حسینؑ کو ان کے واقعی مراتب کے ساتھ
لوگ نہ پہچانتے ہوں لیکن رسولؐ کا نواسا، سلطان حجاز و عراق کا فرزند
ملک عرب کا سب سے زیادہ سخی و جواد جس کے گھر سے کبھی کوئی سائل محروم
نہیں پھرا، بنی ہاشم کا بزرگ خاندان، یہ عنوان وہ تھے جن سے کوئی بھی
ناواقف نہ تھا اور کسی کو ان کے انکار کی جرأت نہیں ہو سکتی تھی۔

حسینؑ نے یہی زمانہ کہ جو تمام قبائل عرب کے اجتماع کا تھا مکہ میں اپنے
قیام کے لئے تجویز کیا، ہم نہیں کہنا چاہتے کہ حسینؑ اپنے لئے کوئی بڑا لشکر جمع
کرنا چاہتے تھے اور ان قبائل عرب کے ساتھ روابط بڑھا کر اپنی حیثیت کو
مضبوط بنا کر یزیدی مقابلہ کا خیال رکھتے تھے، نہیں ہرگز نہیں، اگر
وہ ایسا چاہتے تو کر سکتے تھے اور مضبوط تحریک کرنے کی صورت میں
ممکن نہ تھا کہ اس میں کامیابی نہ ہوتی۔

یمن بالکل نزدیک تھا جس کا اسلام علی بن ابیطالبؑ کا رہین منت تھا

اور اسکی وجہ سے وہان کے رہنے والون کو علی بن ابیطالب اور آن کے گھرانے سے پوری ہمدردی حاصل تھی۔

طائف بھی کچھ اولاد رسولؐ کا مخالف نہ تھا لیکن فرزند رسولؐ کو عالمگیری اور جہانبانی کا شوق نہ تھا، وہ اپنے تئین ایک عظیم الشان بادشاہ تسلیم کرانے کی ہوس نہ رکھتے تھے، مگر حسینؑ کا قیام مکہ معظمہ مین صرف اس لئے تھا کہ جمہور عرب کے اندر صورت حالات کی طرف ایک توجہ پیدا ہو جائے اور یزید کے افعال و اعمال کا چرچا ہونے لگے۔

حسینؑ کے قتل کیلئے حجاج کے لباس مین شام سے کچھ لوگ بھیجے گئے ہون یا حضرتؑ کے پابزنجیر کر لئے جانے کا سامان کیا گیا ہو بہرحال معلوم اسباب و علل کے ماتحت امام کا بیت الحرام سے رخصت ہونا اور زمانہ حج کے گذرنے کا انتظار بھی نہ کرنا اس کو امام کے تبلیغی مقصد مین پورا دخل ہے۔ ابکی ایکا خلاف توقع حسینؑ کا حج کو ترک کر دینا اور تمام اہل و عیال کیساتھ مکہ معظمہ سے نکل کھڑا ہونا ایسی حالت مین کہ حج کا زمانہ بہت کم

باقی تھا اس نے تمام قبائل عرب کے نمایندوں میں ایک لہر دوڑا دی اور اگر کوئی تاریخ اس موقع کی قلم بند کی گئی ہوتی تو اُس میں ضرور نظر آتا کہ اس موقع پر کن خیالات کا اظہار کیا جاتا تھا۔

حسینؑ بن علیؑ کہاں چلے گئے؟ حج بھی نہ کیا؟! ان تمام اہل و عیال و اقربا کو کیسا اپنے نانا کی قبر کے جوار کو کیوں چھوڑ دیا؟ (یزید کے خوف سے) کیوں؟ یزید کیا چاہتا ہے؟ (حسینؑ سے بیعت کا طالب ہے) لاحول ولاقوۃ بھلا ایسا کیونکر ہو سکتا ہے؟ فرزند رسولؐ اور یزید ایسے شرابخوار زناکار فاسق و فاجر کی بیعت کرے! اچھا پھر مکہ معظمہ میں کیوں قیام نہ کیا؟ کس لئے حج کو بھی ترک کر دیا؟ (جان کا خطرہ تھا شاید مکہ میں حسینؑ کے قتل کرنے کیلئے شام سے کچھ لوگ بھیجے گئے تھے) توبہ توبہ! اس سے بڑھکر سفاکی و ظلم کیا ہوگا کہ فرزند رسولؐ کو حرم میں بھی چین نہ لینے دیا جائے"!

یہ تذکرے وہ ہوں گے جو مکہ معظمہ اور اس کے اطراف و جوانب میں اکثر

باخبر حلقون مین بہت اہمیت کیساتھ جاری تھے۔

وہ زمانہ کہ جب سریع رسائل و مخابرت مسدود تھے تار ٹیلیفون وغیرہ خبر رسانی کے ذرایع نایاب اس سے بڑھکر کوئی طریقہ واقعات کی اشاعت کا نہین ہوسکتا تھا۔ مکہ سے ہر زمانہ لوگ آتے جاتے رہتے تھے۔ جو شخص تازہ اپنے شہر مین آیا اُس کو بھی تازہ واقعات کے ضمن مین حسینؑ کے نقل و حرکت اور اُسکے اسباب و علل کا بیان کرنا ضروری تھا۔ اس کا نتیجہ یہ نہین تھا کہ امام کیلئے کوئی بڑا لشکر جمع ہو جائے لیکن مطلب صرف اتنا تھا کہ پہلے سے ان حالات کی اشاعت ہو جانے کے سبب حسینؑ کی شہادت عام طور سے نامعلوم اسباب و علل کا نتیجہ قرار نہ پائے تاکہ اہل شام کو اپنے دل سے اُس کیلئے مخصوص وجوہ تراشنے کا موقع ملجائے اور حسینؑ کی مظلومیت حقانیت مخفی ہو جائے یقیناً اگر امام کی طرف سے ان طریقے نشر و اشاعت کو عمل مین نہ لایا جاتا تو یزید کی طرف سے امام کی شہادت کو طرح طرح کے لباس پہنائے جاتے اسکا نتیجہ یہ ہوتا کہ حسینؑ کا خون رائگان چلا جاتا۔ باین معنی کہ آپ

اپنی جان بھی ہاتھ سے کھوتے اور کوئی ہمدردی بھی افراد بشر کے قلوب
مین چھوڑ کر نہ جاتے اور نہ وہ مقصود جو آپکا تھا حاصل ہوتا مگر خدا کی قدرت
دیکھو کہ امام شہید ہوئے اور تمام دنیا نے اس بات کو تسلیم کر لیا کہ وہ ناحق قتل
کئے گئے، شام کا حاکم اور اسکے دشمن انسانیت و زرار اور ساتھی کسی تہمت
تراشنے کا موقع بھی نہ پا سکے۔ اسے خداوند عالم کی قوت قاہرہ کے بعد حسینؑ
کے تدبر سے تعلق ہے اور وہ اسباب وعلل شہادت کے نشر و اشاعت کا نتیجہ تھا۔
حسینؑ نے اپنی نقل وحرکت کے وجوہ کو زندگی ہی سے عالم اسلام مین
شایع کر کے دشمنوں کی زبانین بند کر دین اور اپنی مظلومی کے سامنے
دنیا کے سر تسلیم کو خم کرالیا اور اس سے بڑھکر حقانیت کی تبلیغ کیا ہو سکتی ہے؟

حسینؑ کا قافلہ خاموش مبلغ تھا حج کا زمانہ تھا عراق،
یمن، طائف وغیرہ ہر طرف سے قبائل مکہ مین آ رہے تھے، ادہر امام حسینؑ
اپنے اہل و اقربا انصار و اصحاب کی ایک کثیر جماعت کے ساتھ خیمہ و خرگاہ
تمام اسباب ساتھ لئے ایک بڑے قافلہ کی صورت مین مکہ سے جا رہے تھے،

عالم مسافرت مین زندگی گذارنے والے واقف ہین کہ راستہ مین چار پانچ
آدمیون کا بھی قافلہ نظر آئے تو کھوج ہوتی ہی کہ یہ کون لوگ ہین کہان سے
آئے ہین؟ پھر کہان امام حسینؑ کا شاندار قافلہ اور صحاب و اعوان کا مختصر
لشکر۔ اُس پر طرہ یہ کہ حج کو دو دن باقی رہے مکہ معظمہ کی طرف سے آرہا ہو جبکہ
دنیا مکہ معظمہ کی طرف حج کے لئے متوجہ ہو۔ اس وجہ یقیناً جاذب نظر اور جاذب
توجہ تھے اور ایک اجنبی شخص کو یہ پوچھنا ضروری تھا کہ یہ کس کا لشکر ہی؟ کہان
جارہا ہی؟ اور حسینؑ کا نام معلوم ہونے پر وہی سوالات جو ہم نے اس کے قبل
درج کئے ہین۔ چنانچہ تاریخین شاہد ہین۔
فرزدق سے ملاقات امام سے یونہی اتفاقی طور پر ہوئی تھی اور عبداللہ بن
مطیع و عمر بن عبدالرحمن مخزومی بھی راستہ مین خلاف توقع امام سے دوچار
ہوگئے اور پھر جو گفتگو ہوئی وہ تاریخ کے اوراق مین محفوظ ہی۔
اسکے معنی یہ ہوے کہ حسین بن علیؑ اور ہاشمی جوانون کا شاندار قافلہ جو
خانۂ خدا کو بمجبوری چھوڑ کر جنگل مین راہ پیما تھا خود ایک خاموش مبلغ اور

داعی حق تھا جو دور دور کے لوگون کو تحقیق حالات اور کشف حقائق پر مجبور کر دیتا تھا۔

کربلا کی سرزمین پر تبلیغ

راستہ کے تمام اہم واقعات کو چھوڑتے ہوئے امام کی اس عظیم الشان تبلیغ کا حوالہ دینا چاہتا ہون جو کربلا کی سرزمین پر حسینؑ سے ظاہر ہوئی، وہ وقت کہ جب حسینؑ کے پیاسے دشمنون نے چارون طرف سے امام پر رستہ بند کر دیا تھا اور تیس ہزار کے لشکر نے دین و مذہب بلکہ انسانیت و غیرت کو خیرباد کہکر فرزند رسولؐ کے قتل پر کمر باندھلی تھی ان کا گمراہی سے باز آنا ناممکن تھا اور حسینؑ اسبات سے واقف تھے لیکن ایک مبلغ مذہب اور داعی حق کا فریضہ ہے کہ وہ حق کی آواز کو بلند کر دے اور تبلیغ و دعوت مین کوتاہی نہ کرے اور اس فرض کو امام نے خوب ادا کیا۔

ایک شب کی مہلت نماز کیلئے اور مفاد اسلام کی بے نظیر تبلیغ

۹ محرم کو اسوقت کہ جب خونخوار لشکر کی یورش تھی اور حسینؑ اور انکی مختصر

جماعت کے قتل کیلئے حملہ کر دیا گیا تھا حسینؑ نے اپنے بھائی کو بھیجا ایک

شب کی مہلت مانگی کیوں؟ کیا اس لئے کہ حسینؑ اپنے اہل حرم سے

رخصت ہو لیں، اپنے عزیزوں کو دل بھر کر ایک رات اور دیکھ لیں یا

ایک شب میں کوئی سامان جنگ کر لیں؟ نہیں بلکہ صرف اس لئے کہ

آج کی رات بھر خدا کی عبادت کر لیں چنانچہ انھوں نے ایسا ہی کیا شب

اس طرح گذاری کہ لھم دوی کدوی النحل ہر جماعت کی آوازیں

ذکر الٰہی اور تسبیح کیسا تھ اس طرح گونج رہی تھیں جیسے شہد کی مکھی کے

چھتے سے آواز آتی ہے۔"

اس طرح انھوں نے دکھلا دیا کہ سخت ترین مواقع پر کس طرح اصول

مذہب کا خیال رکھا جاتا ہے اور یہ کہ مذہبی جذبہ عالم کے ہر جذبہ سے زیادہ

پر طاقت ہے۔

دسویں عاشورے کے دن نماز ظہر گذشتہ موقع سے سخت اور زیادہ

کٹھن وہ موقع تھا جب لڑائی شروع ہو چکی تھی حسینی مختصر لشکر کے بہت سے

جوان قتل ہو چکے تھے اور کمزوری محسوس ہونے لگی تھی تیرون کی بارش تھی اور کمانون کے کڑکنے کی گرج لیکن اس حالت مین بھی نماز ظہر بجماعت ادا کی گئی اور ایسی نماز کہ جس کی نظیر عالم کی تاریخ پیش نہین کر سکتی ۔

امام رو بقبلہ اور مجاہدین کی صفین پیچھے اور دو بہادر جوان امام کے آگے سینہ سپر بنے ہوئے کہ جو تیر آئے وہ اپنے اوپر روکین جس کا نتیجہ یہ تھا کہ نماز ختم ہوتے ہوتے ان دونون بہادرون مین سے ایک سعید بن عبداللہ حنفی زمین پر گر کر تڑپنے لگتے ہین اور دنیا سے رخصت ہو جاتے ہین ۔

یہ تھے حقانیت کے مظاہرات اور صداقت کے نمونے جو اگرچہ اپنے وقت وقوع مین خاموشی کے ساتھ عمل مین آئے لیکن انھون نے دنیا کو دعوت حق کی پر زور آواز سے مملو کر دیا اور افراد اسلام کے اسلامی احساسات کو جھنجھوڑ کر بیدار کر دیا اور دوسری طرف یزید اور ہوا خواہان یزید کے ظالمانہ افعال و اسلام کش حرکات کا پردہ چاک کیا ۔

تبلیغ حق کے دیگر مظاہرات | عاشورے کی صبح سے لیکر عصر تک

واقعات اگر ہم لکھنا چاہیں تو یہ مضمون کافی نہیں ہو سکتا تاریخ شاہد ہے کہ
حسینی فوج کا ہر جوان ایک مبلغ کی حیثیت رکھتا تھا۔ بریر ہمدانی کا مباہلہ
حبیب بن مظاہر کا مکالمہ زہیر بن قین کا خطبہ اور تمام انصار واقربا کے
رجز جن میں سے ہر ایک حسینی شہادت کے اسباب وعلل بیان کرنے میں ایک
مبلغ کا حکم رکھتا تھا۔ اس کا اثر ظاہر ہوا یا نہو لیکن ایک مبلغ کی کامیابی
یہ نہیں ہے کہ اُس کی آواز پر لبیک کہنے والے زیادہ تعداد میں پیدا ہو جائیں
بلکہ اُسکی کامیابی یہ ہے کہ وہ سخت از سخت کٹھن موقعوں پر اور دشوار گذار منازل میں
اپنے فریضہ کو ادا کر دے اور جو دعوت اظہار کا حق ہے اُس کو پورا کر سکے۔
حسینی فوج کے تمام جوان داد شجاعت دیکر رخصت ہو چکے، ہاشمی خاندان کے
شیر بھی اپنے بزرگ کی حمایت میں کام آگئے صرف مظلوم حسین باقی ہیں
اور دشمنوں کا حلقہ ہے دل پر مصائب کا ہجوم اور آنکھوں میں دنیا تاریک ہے
مگر وہ مبلّغ الٰہی، ربانی داعی مذہب اپنے فریضہ سے ایک سکینڈ کیلئے غافل
نہیں ہے، وہ خطبے پڑھتا ہے، تقریریں کرتا ہے، صحابۂ رسول کو گواہ بناکر

اپنی حقیقت کا ثبوت دیتا ہے۔ کیا اس اُمید پر کہ یزیدی لشکر حسینؑ کی حالت پر رحم کھائیگا یا وہ درہم و دینار کی جلوہ آرائی اور روپیہ اشرفیوں کی جھنکار اور حکومت و سلطنت کی طمع و حرص سے آزاد ہو کر حق کے راستہ پر آجائیگا؟ لا واللہ! حسینؑ بھولے اور ناعاقبت اندیش نہ تھے، وہ خوب جانتے تھے مگر بنی نوع بشر کو حالات سے واقف اور باخبر بنانا چاہتے تھے، اُنھوں نے کوئی دقیقہ اظہار حق میں اُٹھا نہیں رکھا اور آخری نفس تک اپنے فرض کو ادا کر گئے۔

اُسوقت بھی کہ جب شمر کا خنجر بوسہ گاہ مصطفےٰ کے قریب آچکا تھا اور امامت کا چراغ گل ہو رہا تھا حسینؑ نے اپنے قاتل کے سامنے تبلیغ کی اور اپنے نانا کی صداقت و حقانیت کو ثابت کر دکھایا "اے شمر ذرا اپنے چہرہ سے نقاب اُٹھا" شمر نے نقاب ہٹائی حضرت نے فرمایا صدق واللہ جدی "میرے نانا رسولؐ نے سچ کہا تھا کہ اے حسینؑ تیرا قاتل ایک مبروص دکوڑھی شخص ہوگا"

روحی لک الفدا! اے حسین بن علی آپ نے مرتے دم تک اپنے فریضہ سے ہاتھ نہیں اٹھایا، آپ نے اپنے نانا کے قول کی تصدیق زیر خنجر بھی ثابت کردی۔ آپ کے خون کا ہر قطرہ جو کربلا کی زمین پر گر رہا تھا آپکی مظلومیت کا مرثیہ خوان اور ملت اسلامیہ کا واحد مبلغ تھا۔

واقعہ کربلا کے بعض روشن پہلو

ایثار و مواسات مشترکہ ضرورت کے وقت دوسرے کو اپنے نفس پر مقدم کرنا ایثار ہے اور سخت موقع پر دوسرے کو مبتلا پا کر خود شریک مصیبت اور ہمدرد ہو جانے کا نام مواسات ہے۔

ان دونوں صفتوں کا بہتر اور مکمل ترین نمونہ زمین کربلا کے مجاہدین نے پیش کیا، ان میں سے ہر فرد نے امام کے نفس کی حفاظت کو اپنے نفس و بدن پر اس طرح مقدم سمجھ لیا تھا کہ وہ اپنے تئیں جیتے جی معدوم سمجھ لیتے تھے۔ سید الشہداء مصلے پر نماز ظہر ادا کر رہے ہیں اور دشمنوں کے تیروں کی

پوچھا ہے۔ سعید بن عبداللہ اور زہیر بن قین امام کے سامنے سپر بنے ہوئے کھڑے ہیں اور ابھی نماز صبح ختم نہیں ہوئی کہ سعید زخموں سے چور ہو کر زمین پر گر جاتے ہیں۔

اور خود امام نے مفاد ملی کی حفاظت کو اپنے نفس بلکہ سب عزیز تر اولاد و اقربا اور ان سے بھی بالاتر عزت و ناموس پر اس طرح مقدم کیا کہ خود دنیا کی ہر چیز سے ہاتھ دھو لیا اور دنیے کو عالم بھر کے مصائب و آلام کا نشانہ بنا گوارا کیا لیکن دین اسلام کو قائم کر گئے۔

اور جو اسات کا یہ عالم نہ کوئی مصیبت انصار و صحابہ نہیں پڑی جسمیں امام نے ان کا ساتھ نہ دیا ہو انصار و عزا کی شہادت کے عنوان مختلف تھے لیکن جب امام مظلوم کی شہادت پر ایک نظر کی جاتی ہے تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ وہ کسی ایک عنوان کے ساتھ مخصوص نہ تھی بلکہ ایک بیکس انسان کے قتل کی جتنی صورتیں ہو سکتی ہیں وہ اس ایک ذات میں جمع ہو گئی تھیں۔

حسینؑ اس دن صرف اپنی جان نہیں دے رہے تھے بلکہ دنیا کو ایثار
و مواسات کا نہ بھولنے کے قابل سبق دے رہے تھے اور بے نظیر مثال
قائم کر رہے تھے۔

ثبات قدم و استقلال سخت اور دشوار گذار مصائب کے باوجود
قدم میں لغزش نہ ہونا ثبات و استقلال ہے اور اس امتحان میں کربلا کے
مجاہدین کا نمبر سب سے اول ہے، ان کے سخت اور دشوار گذار مصائب کی نوعیت
عالم سے جداگانہ تھی، سر و گردن کے باہمی ارتباط کا ایک مرتبہ دشمن کی شمشیر
سے قطع ہو جانا ایک جانباز سپاہی کے نزدیک کوئی اہمیت نہیں رکھتا
لیکن تین دن کی بے آبی اور زخموں کی کثرت کے سبب کلیجے کے اندر
آگ کا بھڑکنا ہر لحظہ احتضار و نزع روح کی تکالیف برداشت کرتے رہنا
کمسن بچوں کو ماہی بے آب کی طرح تڑپتے دیکھنا اپنے ہاتھ سے اپنی زندگی
کے عزیز ترین سرمایہ اولاد کو کھینچی ہوئی تلواروں اور برستے ہوئے تیروں
میں بھیجنا نہیں بلکہ اپنے ہاتھ پر جگر کے ٹکڑے کو نشانہ تیر بنوا دینا

ہر انسان کا کام نہین۔ اُنکے استقلال و ثبات قدم کی نظیر تاریخ پیش
کرنے سے قاصر ہی اور اُنھون نے اسکے ذریعہ جو حیرت انگیز کامیابی حاصل
کی اسکی مثال بھی ملنا ناممکن ہی۔ وہ فنا نہین ہوے بلکہ ہمیشہ کیلئے
خود زندہ ہوے اور ہزارون کو زندہ کر گئے دورِ فلک مین جبتک اسلام
کا دور ہی انکی یاد سچے مسلمانون کے دل مین ہمیشہ تازہ رہیگی اور
سرشک غم کے سبحہ صد دانہ پر آن کے نام کا ورد ہوتا رہیگا۔

عزت نفس اور موت کا موازنہ

مجاہد کربلا کا نعرہ شیرانہ

الموت اولی من رکوب العار

زندگی عزیز شے ہی اور فطرت انسانی مین حیات دنیا کی محبت
ودیعت کر دی گئی ہی، انسان اسی کی خاطر سخت ترین دنیا کے مشکلات کو
برداشت کرتا اور سرد و گرم عالم کا تحمل کرتا ہی۔ اُس کی طبیعت اگر

اور بخل وغیرہ کے سبب سے اعتدال سے خارج نہیں ہو گئی ہے تو وہ اپنی جان
کی حفاظت میں مالی قربانی سے بھی دریغ نہیں کرتا اور تمام ممکن ذرائع
جن سے اسکی ہستی کا بقا ممکن ہے ان کو صرف کرنا ضروری سمجھتا ہے۔ اسلام
نے بھی اس فطری رجحان کو روکنے کی کوئی وجہ نہیں پائی بلکہ لا تلقوا
بایدیکم الی التھلکۃ کے حکیمانہ حکم سے حفاظت نفس اور زندگی کی
نگہداشت کو فریضہ لازمہ قرار دیا لیکن فلک اعظم کے دور اور لیل و نہار
کی آمد و رفت میں ایسے نازک مواقع پیش آجایا کرتے ہیں جب جذبات
نفسانیہ میں تلاطم اور طبعی و عقلی رجحانات میں تصادم ہوتا ہے، زندگی
اپنی تمام دلفریبیوں کے باوجود اتنی مہیب و زشت بن کر آتی ہے کہ انسان
بے اختیار اس سے آنکھ بند کر لینا پسند کرتا ہے اور وہ اسی محبوب زندگی
سے جس پر وہ ہر شے کو قربان کرتا تھا ہاتھ دھونے میں لذت محسوس کرتا ہے
یہ صورت کبھی غیر عقلی، شہوانی، جاہلانہ، نا عاقبت اندیشانہ رجحانات
سے پیدا ہوتی ہے اور اس موقع پر جان دینے سے نہ عقل بڑھکر مرحبا کہتی ہے

شرع شاباش کی آواز دیتی ہے لیکن جسوقت موت سے بدتر زندگی یا زندگی
سے بہتر موت میں معاملہ پڑ گیا ہو جسوقت حیات دنیا اہم ترین مقاصد کے
پامال ہونیکا پیش خیمہ ہو اور جسوقت عزت نفس اور فنائے ظاہری کا
سوال درپیش ہو جبکہ میزان عقل نے صورت حال کے مختلف پہلوؤں پر
غور کر کے موت کو حیات پر ترجیح دیدی ہو تو اسوقت موت کے منھ میں
جا پڑنیوالے دائمی حیات کے مالک ہو جاتے ہیں عزت دار ہستیاں ہمیشہ
عزت کا صدر جان کو سمجھتی ہیں حسین بن علیؑ نے کربلا میں جو راستہ
اپنے لئے مقرر کر لیا تھا وہ اسی اصول پر مبنی تھا، اُن کی زبان سے
نکلی ہوئی لفظیں اگرچہ وسیع صحرائے کربلا میں گونج کر فنا ہو گئیں
لیکن اُن کا پائدار مفہوم اب بھی عبرت دار اقوام کے صحیفۂ حیات کا
سرنامہ اور اُن کے دیباچۂ زندگی کا عنوان اول ہے (الموت اولی
من رکوب العار) ننگ و عار کے برداشت کرنے سے موت کا آنا
بہتر ہے" اُنکی یہ مختصر لفظیں علو ہمت کی منادی اور عزت نفس کی

ترجمان ہیں اور انہی کو حسینؑ نے عملی صورت سے دنیا کو دکھلا دیا۔

اصول کی حمایت اور قربانی

حسینؑ کی قربانی دنیا سے نرالی تھی

اس قربانی کے انتظامات عجیب و غریب تھے

کربلا کے مجاہد حسین بن علیؑ کا اصول حق کی حمایت، شریعت اسلامیہ کی نگہداشت اور جابر و ظالم طاقت کے مقابلہ میں روحانی و مذہبی خودداری کی حفاظت تھی، انھوں نے اپنے آخری نفس تک اس اصول کو ہاتھ سے نہیں جانے دیا، وہ اگر پہلی ہی مرتبہ اپنی جان کی قربانی پیش کر دیتے تو بہت ممکن تھا، اس قسم کی قربانیاں کم سہی لیکن بے مثال نہیں ہیں سقراط نے بھی اپنے ہاتھ سے زہر کے جام کو اٹھا کر پی لیا تھا اور اپنی جان کو مقصد پہ سے قربان کر دیا تھا لیکن حسینؑ

بن علیؑ کا مقصد بہت اہم تھا، وہ اپنی قربانی کی نوعیت ہی عالم سے جداگانہ قرار دینا چاہتے تھے، اُن کا مقصد یہ تھا کہ اپنی طرف نسبت رکھنے والی ہر عزیز شے کو خود اپنے ہاتھ سے قربان کریں اور جب اپنے نفس کے سوا کچھ باقی نہ رہ جائے تو اس متاعِ گرانمایہ کو قربانی کے میدان میں پیش کر دیں، انھوں نے سب سے پہلے اپنے راحت و آرام، وطن کی اطمینانی زندگی کو قربان کیا جس کے سلسلہ میں اُن کو ہر طرح کی تکلیف برداشت کرنا پڑی۔

روزِ عاشور کی قربانیوں کے سلسلہ میں اپنے محبوب ترین اصحاب و انصار، ساتھ کے کھیلے ہوئے احباب کو قربان کیا، عزیزوں کی باری آئی اور ایک ایک کر کے ان سب کو میدانِ قربانی میں بھیجا، اپنے داہنے بازو وفادار بھائی قمر بنی ہاشم کو قربان کیا، اپنے پیارے بھتیجے اور داماد قاسم بن الحسن کو قربان کیا، اپنے دل کی قوت آنکھوں کی روشنی اور پیری کے سہارے علی اکبر کو قربان کیا۔

باغ اُمید کی آخری کونپل، اور غنچۂ ناشگفتہ علی اصغرؑ کو خود اپنے ہاتھون پر لاکر قربان کیا، ابھی تک دل کے ٹکڑون کی قربانی ہو رہی تھی اب اعضائے بدن تک نوبت پہونچی، اُن کو ایک ایک کر کے قربان کیا۔ گوشت و پوست، سینۂ و دست، دل و جگر، چہرہ و جبین بلکہ سطح جسم کا چپہ چپہ اور اجزائے بدن کا ہر ذرہ قربان کیا، نوبت یہ پہونچی کہ تیرون کو جگہ نہ ملتی اور دشمنون کی تلوارون، نیزون کو جستجو کے بعد بھی خالی مکان نظر نہ آتا تھا، جب جسم کا ہر حصہ اور دل کا ہر ٹکڑا قربان ہو چکا۔ اصحابؓ و انصارؓ اہل بیت مین سے تو پہلے ہی کوئی باقی نہین رہا تھا اعضائے جسم کی قربانی کا بھی امکان نہ رہا، ایک ایک نیزہ پر سیکڑون نیزے اور ایک ایک تلوار پر سیکڑون تلوارین پڑ چکین اور تیر بھی اپنا پورا حوصلہ نکال چکے، اب حسینؑ کیلئے کوئی چارہ کار نہ تھا، کوئی قربانی کے قابل شے باقی نہین رہی تھی صرف ایک رشتۂ حیات تھا جو روح و بدن کے اندر پیوستگی تمکش جانبلب

باوجود قائم تھا اور ایک سر و گردن کا ارتباط تھا جس مین ابتک جدائی نہوئی تھی۔

اس باہمت مظلوم کیلئے گذشتہ تمام قربانی کے مرحلون کو طے کرنے کے بعد اس ایک قربانی کا مرحلہ بالکل آسان تھا بلکہ اس مین خاص لذت محسوس ہو رہی تھی عصر کے ہوتے ہوتے حسینؑ اس قربانی مین بھی کامیاب ہوگئے اور خنجر شمر سے کچھ دیر راز و نیاز کے بعد ایک طرف نفس کی آمد و شد کا سلسلہ اور نفس و بدن کا ظاہری حلقۂ اتصال قطع ہوا اور دوسری طرف سر و گردن کے ارتباط مین جدائی پیدا ہوئی۔

آسمان لاکھون برس گردش کرے زمانہ کے ورق گوناگون خصوصیتون کیساتھ سامنے آئین اور الٹ جائین لیکن اتنی شاندار مکمل منظم اور مرتب قربانی کی مثال پیدا نہین ہوسکتی۔

حسینؑ کی شہادت کے بعد

فاطمہ زہرا کا چاند غروب ہو چکا ہے اور دشمن اپنے مقصد میں ظاہری صورت میں کامیاب ہو چکے ہیں، اب کوفہ و شام کے بازار ہیں اور بنی ہاشم کے گھرانے کی معزز خواتین اور سیروں پر کربلا میں شہید ہونیوالے مظلوموں کے سر نصب ہیں سطحی نظر سے دیکھنے والے اس منظر کو اہلبیت رسولؐ کیلئے سخت توہین و ذلت کا باعث سمجھ رہے ہوں گے لیکن واقعہ یہ ہے کہ اسوقت حسینؑ کی تبلیغ منتہائے شباب پر پہونچ گئی ہے اور دعوت حق کا دائرہ وسیع سے وسیع تر ہو گیا ہے۔ اگر چشم حقیقت بین سے نظر کرو تو نیزہ پر سر حسینؑ جس کی پیشانی پر سجدۂ معبود کا نشان پڑا ہوا ہے (سیماھم فی وجوھھم من اثر السجود) چہرہ سے نور ساطع ہے۔ ہونٹ تلاوت قرآن مجید میں مشغول ہیں (ام حسبت ان اصحاب الکھف والرقیم کانوا من ایاتنا عجبا)۔

دوسری طرف مخدرات عصمت جہاں تماشائیوں کے مجمع میں چادر و مقنعہ سے محروم

انکے بعد غیرت و حیا کا مجسمہ اخلاق محمدیہ کی تصویر، جاہ و جلال کی چادروں میں پنہاں، طہارت و عفت کے اندر ملبوس اور آن کے وہ حقائق و دقائق سے مملو خطبے کا تھا تفرغ عن لسان ابیہا (زینبؑ گویا علی ابن ابیطالبؑ کی زبان کے بیان کلام کر رہی تھیں)

یہ تھیں وہ ہستیاں جنھوں نے صداقت کے پیکر میں روح پھونک دی، دنیا کی آنکھوں کے سامنے سے جہالت و ضلالت کے پردوں کو چاک کر کے پھینکدیا، عالم کو مشرق سے لیکر مغرب تک حسین بن علیؑ کا مرثیہ خوان اور یزید کے افعال و اقوال سے بیزار و متنفر کر دیا۔ اسی کا نتیجہ تھا کہ آج عالم کے گوشہ گوشہ اور دنیا کے ہر حصہ میں حسینؑ کا نام ہے اور حجاز کا حقیقی بادشاہ کروروں افراد کے دلوں پر قیامت تک کے لئے حکومت کر رہا ہے اور بنی امیہ کے جبروت و عزت کا چراغ ہمیشہ کیلئے اس طرح گل ہوا کہ کوئی نام لینے والا بھی نہیں ہے، عالم نے دیکھ لیا کہ کون ظالم تھا اور کون مظلوم؟ ظلم کا نتیجہ کیا ہوتا ہے اور مظلومیت کی شان کیا ہے؟

علی نقی النقوی عفی عنہ (لکھنؤ)

ذی الحجہ ۱۳۵۱ھ